ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

# انشاءاللہ خان انشا کی نثری خدمات کا مختصر جائزہ

ڈاکٹر عثمانیہ سلطانہ

## Abstract:

*This article provides a brief overview of the literary contributions of Insha Allah Khan Insha, focusing on his prose works. After the death of his father in 1215 AH, Insha became associated with the court of Saadat Ali Khan, where he wrote notable works such as "Darya-e-Latafat", "Rani Ketki Ki Kahani", and "Turki Roznamcha". Insha's literary prowess, particularly in the field of Urdu prose, is highlighted, emphasizing his role in shaping the language's grammar and style. The article argues that his creativity and poetic experience played a key role in his contributions to Urdu literature, challenging critical dismissals of his work. It also reflects on how Insha's scholarly approach led to significant linguistic and literary achievements, including the international recognition of Urdu.*

انشاءاللہ خاں انشا ۱۲۱۵ھ میں والد کی وفات کے بعد سعادت علی خان کے دربار سے وابستہ ہوئے ۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں انشا نے سعادت علی خان کی فرمائش پر ''دریائے لطافت'' تحریر کی۔'' رانی کیتکی کی کہانی'' بھی اسی زمانے کی تخلیق ہے۔ ترکی روزنامچہ بھی لکھا۔ شعر و شاعری کے علاوہ ''لطائف السعادت'' لکھی۔ نواب سعادت اس کی صحبت میں خوش رہتے۔ اگر دربار برخاست بھی ہو جائے، نواب صاحب کا جب جی چاہتا انشا کو بلا لیتے۔ یہ دور انشا کے لیے ہر لحاظ سے بہترین دور تھا اور یہ انشا کی تخلیقی، سماجی اور درباداری کا سنہرا دور تھا۔ اگر یہ دور انشا کی تخلیقی سفر کا بہترین دور ہے تو پھر بیتاب کے اس جملے کی کوئی وقعت نہیں رہتی، کہ '' سیّد انشاء کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خان کی فصاحت نے ڈبویا۔(1)

آزاد صاحب کے اس جملے کو ''آب حیات'' میں رقم کرنے سے یہ جملہ تاریخ ادب اردو سے لے کر اردو ادب کی ہر کتاب، ہر مضمون میں یہی جملہ پڑھنے کو ملتا ہے۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ کسی نے خود سے تحقیق کرنے کی کوشش بھی نہیں کی کہ اس جملے میں کتنی صداقت ہے؟

کیا واقعی انشا کے فضل و کمال کو ان کی شاعری نے کھویا؟

اور کیا واقعی انشا کی شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا؟

ہمارے تحقیق کار یہ جملہ ''آب حیات'' سے نقل کر کے اپنی کتابوں اور اپنے مضامین کی زینت بناتے رہے ہیں۔ کیا واقعی انشا کی شاعری بے کار ہے؟ اور کیا انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا ہے؟ اور کیا شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا ہے؟

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

> ''دہلی چھوڑ کر لکھنؤ آنے والے شعراء میں طباعی، اذہانت، شوخی، طبعی، حاضر جوابی، بدیہہ گوئی اور ظرافت کے اعتبار سے انشاءاللہ خان انشا کا جواب نہیں لکھنؤ کی فضا نے انشا کے بگڑے ہوئے مذاق کو ایسا نوازا کہ ان کے جواہر اصلی تمسخر، پھکڑ اور شہدپن کے غبار میں چھپ گئے۔ محمد حسین آزاد بیتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں ''سید انشاء کے فضل و کرم کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی صحبت نے ڈبویا'' دوسرے حصہ سے ڈاکٹر عبدالحق بھی اتفاق کرتے ہیں اور خود ان کی شاعری میں اردو، ہندی، پنجابی، فارسی، عربی اور ترکی زبان سے ان کی واقفیت، ان کی ذہانت اور طباعی کا اندازہ کریں تو بے ساختہ یہی خیال ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے شاعری شروع نہ کی ہوتی تو غالباً جس ذہانت اور بصیرت کے ساتھ انہوں نے دریائے لطافت تصنیف کی اسی کی بدولت وہ خدمت زبان کے کتنے اور کیسے کیسے گراں بہا نمونے چھوڑ جاتے۔ انہوں نے

شاعری اس زمانے میں اختیار کی جب شاعری کے زوال اور انحطاط کا دور شروع ہو چکا تھا، بہت ممکن تھا کہ انشاء اس کے نجات دہندہ ثابت ہوتے۔"(2)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کا یہ جملہ کافی غور طلب ہے ملاحظہ فرمائیں کہ "اگر انھوں نے شاعری شروع نہ کی ہوتی تو غالباً جس ذہانت اور بصیرت کے ساتھ انھوں نے دریائے لطافت تصنیف کی۔اسی کی بدولت وہ خدمت زبان کے کتنے اور کیسے کیسے گراں بہا نمونے چھوڑ جاتے۔" تھوڑی دیر کے لئے ہم تسلیم کریں کہ انشا اعلیٰ شاعر نہیں ۔ انھوں نے صرف "دریائے لطافت" ،"رانی کیتکی کی کہانی "،"سلک گوہر "،"ترکی روزنامچہ" اور "لطائف السعادت" جیسی تخلیقات پیش کی ہوتیں تو کیا اس وقت یہ محققین اور تنقید نگار خوش ہوتے؟ کیا اس وقت یہ انشاء کو بخشتے؟ کیا اس وقت یہ کہتے کہ ہاں انشا نے ادب کی صحیح معنوں میں خدمت کی؟ ان سوالات کا جواب "نہیں" ہے۔یہی کہا جاتا کہ انھوں نے نثر میں جو یہ تجربہ کیا ہے تو اپنے ہم عصروں کو نیچا دکھانے اور اپنی بڑائی ثابت کرنے اور اپنی قادر الکلامی دکھانے اور اپنی رستمی حیثیت منوانے کے لیے اور دربار میں اپنے قد کو اونچا دکھانے اور نواب کے سامنے اپنی حیثیت منوانے کے لیے یہ سب کیا ہے۔ ثبوت حاضر ہے۔

انتظار حسین، انشا کی تخلیقات کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"تعلیم انھوں نے روایتی پائی تھی۔اس زمانے میں جن علوم کا چرچا تھا، وہ سب سیکھے۔منطق پڑھی، فلسفہ پڑھا، عربی سیکھی، فارسی سیکھی۔ان زبانوں کے علاوہ بھی مختلف زبانیں سیکھ ڈالیں، ترکی، ہندی، پوربی، پشتو، پنجابی، کشمیری، بنگلہ، یہ مختلف زبانیں انہوں نے اس شان سے سیکھیں اور علوم پر اتنی قدرت حاصل کی کہ وہ آسانی سے ایک عالم کا روپ دھار سکتے تھے، مگر علمی روایت تو خود ایک حصار ہے۔یہ روایت آدمی سے خالص ذہنی زندگی گزارنے کا اور تجربوں سے بے تعلق ہو جانے کا تقاضا کرتی ہے۔ جس آدمی نے اپنی شخصیت کے سارے دریچے تازہ ہوا کو آنے دینے کے لیے وا کر رکھے ہوں، وہ آدمی مجرّدات کی دنیا میں مقّید ہو کر کیسے بیٹھ جاتا۔ سید انشا صاحب عالم و فاضل ضرور تھے مگر وہ تجربوں کا دروازہ اپنے اوپر بند نہیں کر سکتے تھے۔میاں بے تاب نے یہ نکتہ نہ سمجھا اور حکم لگا دیا کہ سید انشاء کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا۔عالم اپنے فضل و کمال سے نہیں اپنے علمی رویّے سے پہچانا جاتا ہے۔سید انشاء کا رویہ ہی علمی نہیں تھا۔ وہ مجرّدات میں نہیں سوچ سکتے تھے، Images میں سوچتے تھے۔دریائے لطافت ان کا علمی کارنامہ ہے مگر یہ دیکھیے کہ کیا ماہرین لسانیات اور علما قواعدِ زبان کے مسائل کے بارے میں اس رنگ میں سوچا کرتے ہیں؟ طبقوں اور شہروں کے لہجوں میں فرق کرتے کرتے وہ معاشرتی تصویریں بنانے لگتے ہیں اور کردار تخلیق کرنے لگتے ہیں۔ ایسا رویّہ رکھنے والا شخص اپنے منفرد انداز میں اِکادُکا علمی کارنامے تو انجام دے سکتا ہے مگر روایتی قسم کا عالم نہیں بن سکتا۔ اس رویّے کے ساتھ تو آدمی شاعر اور افسانہ نگار ہی بن سکتا ہے......آخر انشاء کو دربار میں بھی تو اپنی قابلیت کے جھنڈے گاڑنے تھے اور حریف ہم عصروں کو بھی پچھاڑنا تھا۔اس وقت کی مخصوص ادبی فضا میں یہ کام محض اپنے شعری تجربے سے معاملہ رکھ کر انجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔اس کے لیے تو دوسرے ہی حربے استعمال کرنے تھے، یا شاید انشاء کو یوں بھی اپنی ذہانت کے کرشمے دکھانے کا بہت چسکا تھا۔ذہانت کے کرشمے انہوں یوں بھی دکھائے کہ اُردو میں شعر کہتے کہتے عربی میں نکل گئے یا ترکی میں طبع آزمائی کرنے لگے۔آدمی ہفت زبان تھے، اس لیے ایسی طبع آزمائی ان کے لیے کیا مشکل تھی۔"(3)

ایک صاحب فرما رہے ہیں کہ وہ شاعری نہ کرتے تو وہ معلوم نہیں دریائے لطافت جیسی کتنی اور کیسی کیسی گراں قدر خدمات انجام دیتے۔ تو دوسرے صاحب ان کی نثری خدمات کو ایک اور رنگ دینے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور دوسروں کے ذہنوں میں یہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس شخص نے یعنی انشا نے یہ سب تخلیقات اس لیے نہیں کیں کہ ان کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا یا اس نے بے نقط کہانی اس لیے نہیں لکھی کہ ان کے پاس علم تھا یا قابلیت تھی بلکہ یہ سب وہ اپنے ہم عصروں کو نیچا دکھانے کے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

لئے لکھ رہے تھے۔ کیونکہ انشا کے یہاں درباری زندگی کے طفیل گوناگوں ادبی چسکے پیدا ہوئے تھے، اور ان میں ایک چسکا غیر منقوطہ زبان لکھنے کا تھا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جمیل جالبی صاحب بھی ایسا ہی سوچتے ہیں۔

انشا نے دو کہانیاں لکھی ہیں۔ سلک گوہر اور رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی۔ ان دونوں کہانیوں میں کچھ تجربے کیے ہیں۔ سلک گوہر میں منقوطہ نثر لکھنے کی کوشش کی ہے اور کیتکی کی کہانی خالص ہندی زبان میں لکھنے کا تجربہ کیا ہے اور کیتکی کی داستان سے بھی پہلے انھوں نے اردو زبان کی قواعد لکھی ''دریائے لطافت'' کے نام سے، انشا وہ پہلے ہندوستانی شخص ہیں جنھوں نے دریائے لطافت یعنی اردو زبان کی قواعد تحریر کی۔ دراصل یہ سب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ ساری تخلیقات کوئی یونہی نہیں ہوئے تھے بلکہ انشا کی شاعری کی بدولت ہوئے تھے۔ اردو کے بین الاقوامی زبان کا درجہ حاصل کرنے میں انشا کا بھی ہاتھ ہے۔۔ یہ انشا کی شاعری کی دین ہے کہ آج ہم اردو پہ فخر کرتے ہیں۔ انھوں نے ''دریائے لطافت'' اور رانی کیتکی اور دوسری تمام تخلیقات سے پہلے یہ ساری تجربات اپنی شاعری میں کر چکے تھے۔ شاعری کی بدولت ہی ان کا مطالعہ وسیع ہوتا گیا۔ اور جب انسان کا علم انتہا کو پہنچتا ہے تب وہ تجربات کرتا ہے جب انسان کے پاس علم ہی نہ ہو تو وہ تجربہ کیا کرے وہ دو چار سطور لکھ کر پھر دوسروں کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گا کہ کہیں سے مجھے کوئی نیا تصور مل جائے تاکہ میں اپنی تخلیقات کو آگے بڑھا سکوں۔ تخلیق ہمیشہ وہاں ہوتی ہے جہاں علم کی انتہا ہو ہم تو صرف ڈگری اور نمبروں کے لئے پڑھتے ہیں۔ ہم تو علم کا مطلب ہی بھول گئے ہیں ہم آسانی ڈھونڈتے ہیں ہم تن آسان ہو گئے ہیں۔ ہم دو چار لوگوں کے مضامین پڑھتے ہیں اور دوسروں کی کتابوں سے حوالوں کی بھرمار کر کے اپنا بہت شاندار قسم کا مضمون لکھتے ہیں اور خود ہی اپنی واہ واہ کرتے ہیں بس ہم صرف اتنی ہی تحقیق کرتے ہیں ورنہ قدرت اللہ قاسم، بیتاب اور آزاد کے دو چار لائن جملوں کی کیا وقعت کہ وہ انشا جیسے شاعر کو دیوار کے ساتھ لگا دیں۔ یہ ہماری خود کی تحقیق نہ کرنے کی بدولت غلط باتیں دوسرں سے منصوب ہوتی ہیں اور آخر میں ہمارے لیے بھی شرمندگی کا باعث بنتی ہیں۔

دراصل ہمیں آگے بڑھنے سے پہلے کچھ دیر رُک کر اس عہد میں جھانکنے کی ضرورت ہے جس عہد میں انشا پیدا ہوئے تھے اس عہد سے بھی پہلے برصغیر میں علم حاصل کرنے کا رواج تھا۔ بلکہ علم بنیادی ضرورت تھی جیسے کھانا پینا ویسے ہی علم بھی بنیادی ضرورت تھی۔ اپنے آپ کو جاننے اور اپنے آپ کو بہتر بنانے کے لئے علم حاصل کیا جاتا تھا۔

دراصل مغرب میں ایک زمانے میں یہ بحث چلی تھی کہ کیا ''ادب'' ہونا چاہیے کہ نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ہندوستان اتنا خود کفیل تھا علم کے معاملے میں یہاں یہ بحث ہوئی ہی نہیں، کیونکہ یہ بحث وہاں ہو گی جہاں جہالت ہو گی۔ ہندوستان میں یہ بحث کیوں ہو گی؟ اس بحث کی یہاں ضرورت ہی نہیں۔ یہاں کے لوگ اس بحث سے بالکل ناآشنا ہیں۔ کیوں کہ یہاں جگ جگہ مکتب، مسجد، مندر، وہار اور دوسری عبادت گاہیں تھیں جہاں پر بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ اس لیے علم امیر غریب سب کے بچوں کے لیے برابر تھی۔ مسلمان گھرانوں میں چھ سال کی عمر میں بچہ قرآن کی تعلیم سیکھنا شروع کرتا پھر آہستہ آہستہ عربی، فارسی یا جو بھی اس عہد کے مروجہ اصول تھے علم کے حوالے سے انھیں سیکھتا اور اپنے آپ کو بہتر بناتا۔ جن کے والدین خود کسی علم میں عالم فاضل ہوتے تھے وہ اپنے بچوں کے ساتھ زیادہ محنت کرتے تھے اور ان کے بچے دوسروں سے زیادہ علم حاصل کرتے تھے جس کی مثال انشا کی صورت میں ہمارے سامنے ہے کیونکہ انشا کے والد خود بھی شاعر تھے اور مصدرؔ تخلص کرتے تھے۔ ہم انشا کو ان کی شاعری میں دیکھتے ہیں پھر انہیں ''دریائے لطافت'' میں اور ان کی داستان میں دیکھتے ہیں اور ان کی دربار سے باہر زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں ہمیں ایک ہی انسان نظر آتا ہے ہنستا مسکراتا، نہایت خوش مزاج، مسکراہٹیں بکھیرتا، اپنے ہم عصروں سے بھی یہی خوش مذاقی اور اپنے سے بڑے بڑوں کے ساتھ بھی دوستی، کیونکہ انشا میر حسن کے والد میر غلام حسین ضاحک کے دوست تھے۔ انیس سالہ انشا اور بوڑھے میر ضاحک کی اسی دوستی کی وجہ خوش مزاجی اور ہم مذاقی کی وہ قدر تھی جو انشا اور میر ضاحک میں مشترک تھی۔ انشا کو زبان و بیان، علم عروض اور بیان و بدیع پر مکمل عبور تھا۔ انشا کے سامنے اگر کوئی علمی حوالے سے کوئی غلطی کرے تو انشا اس وقت ان کی اصلاح کر دیتے تھے انشا نے ہمیشہ دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا شہزادہ سلیمان کے دربار میں مصحفی کی رسائی انشا کی بدولت ہوئی اور مرزا قتیل کو ''دریائے لطافت'' میں دوسرا حصّہ لکھنے کی دعوت انشا نے دی۔ قتیل انشا کے دوست تھے۔ یقیناً انشا کو علم ہو گا کہ قتیل کو سامنے آنے میں وقت لگے گا۔ ہو سکتا ہے کہ انشا قتیل کی علمی خوبیوں سے بھی واقف ہوں مگر انشا نے اسے دریائے لطافت لکھنے کی دعوت دے کر انھیں کتنا بڑا مقام دیا کہ آج ہم انشا اور قتیل کا ذکر اکٹھے ہی کرتے ہیں۔ اتنا بڑا دل تو صرف ایک خوب صورت اور خوب سیرت اور انسان دوست کے پاس ہی ہو سکتا ہے کہ اپنی اس تخلیق میں جو رہتی دنیا تک ان کی پہچان بنے گی اور اس بات کا انشا کو بخوبی علم تھا کہ وہ کیا تخلیق کرنے والے ہیں اور اردو زبان میں اس کی کیا اہمیت ہو گی۔ انشا کی بدولت ہی مصحفی اور جرأت کی رسائی شہزادہ سلیمان کے دربار میں ہوئی۔ انشا کی بدقسمتی یہ ہے کہ انہیں داناد شمن اور نادان دوست ملے۔ ان کے نادان دوست ان کے حق میں وہ سب کچھ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

نہیں لکھ سکے جوان کے داناد شمن لکھ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ انشا جیسے عالم وفاضل شخص دو صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اندھیروں میں ہے اور محمد حسین آزاد جیسے گپ شپ ہانکنے والے تنقید نگار نے انہیں جیسے پیش کرنا چاہا کر لیا ایک جگہ آب حیات میں بارش کا منظر دکھاتے ہیں کہ دہلی میں حافظ احمد یار تھے جو انشا کے یار تھے۔ وہ انشا سے ملنے جارہے تھے تو راستے میں بارش ہوگئی اور انشا کے گھر پہنچنے تک موسلا دھار بارش ہوگئی اور جب انشا نے انہیں دیکھا اور دیکھتے ہی اچھلنے لگے اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر ان کے ارد گرد پھرتے تھے اور کہے جاتے تھے غالباً ''بھر بھر چھاجو برست نور رد بلیّاں دشمن دور'' آزاد نے انشا کا جیسے خاکہ پیش کیا ہے اس کو پڑھ کر ہر انسان کو انشا عجیب وغریب لگیں گے۔ اتنے بڑے عالم فاضل شخص کی تصویر کشی اگر ایک چھوٹے بچے کی طرح کریں گے تو لوگوں کو وہ شخص ضرور عجیب ہی لگیں گے۔ لوگ یہی تصور کریں گے کہ اتنی بڑی عمر کے آدمی اگر بارش دیکھ کر یہ حرکت کرتے ہیں تو ضرور ان کے دماغ میں خلل واقع ہوگا۔ ورنہ وہ ایک بچے کی طرح حرکت تو نہ کرتے۔

شبلی نعمانی نے بالکل صحیح کہا تھا کہ ''آزاد گپ بھی ہانک دیں تو وحی معلوم ہوتی ہے۔'' اور انہوں نے سو فیصد صحیح کیا ہے۔ اگر آزاد کی گپ شپ وحی نہ ہوتی تو انشا کا مقام آج کچھ اور ہوتا۔ آزاد کی وحی کی بدولت آج تک کسی نے انشا کو جاننے اور ان کی شاعری کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ ان کے سامنے انشا کی عمر بھر کی تخلیقات کی کوئی وقعت نہیں بلکہ آزاد کی وحی اہم ہے۔ آزاد نے ''آب حیات'' میں انشا کی شخصیت کو مجروح کیا ہے۔

محمد حسین آزاد کو چاہیے تھا کہ صرف گپ شپ لگانے کے بجائے انشا کے اوپر کچھ تحقیق کرتے۔ اگر نہ کر سکتے تھے تو انشا کی تاریخ پیدائش ہی معلوم کرتے کیوں کہ انشا کو فوت ہوئے غالباً پندرہ سال گزر چکے تھے۔ اس وقت ان کے خاندان کے بزرگ یا جوان کوئی تو موجود ہوتے۔ سعادت سے اگر آزاد چاہتے وہ سارے معلومات لے سکتے تھے کہ کیا واقعی سعادت علی خان نے انشا کی تنخواہ بند کر دی؟ اور کیا واقعی انشا جنوں کے مرض میں مبتلا ہو کے دنیا سے رخصت ہو گئے؟ نہیں آزاد صاحب اپنے پیٹ کا پانی کیوں ہلائیں؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں دماغ، زبان اور قلم کی طاقت جو دی تھی جن سے وہ بیٹھے بٹھائے ایسی سحر انگیز گفتگو کرتے تھے کہ لوگ ان کی گفتگو کے سحر سے ہی نہیں نکلتے تھے۔ وہ دماغ سے خرافات سوچتے اور زبان سے چسکیاں بھرتے اور قلم کے تیر چلاتے تو ان کا کام ہو گیا۔ اپنی انہی سحر انگیز باتوں کی بدولت وہ اردو ادب میں کسی نہ کسی حوالے سے زندہ ہیں۔ یہاں پر صرف آزاد صاحب پر کی گئی تنقید کے حوالے سے بحث ہو رہی ہے ورنہ نثری خدمات میں ان کا گراں قدر سرمایہ موجود ہے جس سے اردو ادب کے کسی بھی طالب علم کو اعتراض کی مجال نہیں ہے۔

ایک اور جگہ میاں رنگین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ جب انشا کی مزاج پرسی کو گئے تو انشا سر گھٹنوں میں دیے بیٹھے تھے۔ آزاد صاحب نے اس کا نقشہ ایسا کھینچا ہے جیسا کہ ڈاکومینٹری فلموں میں انگریز ہر ایک چھوٹی چھوٹی چیز کی جزئیات نگاری کرتے ہیں۔ آزاد صاحب بھی بالکل ایسے ہی دکھاتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آزاد صاحب پاس ہی بیٹھے ہیں۔

**بقول محمد حسین آزاد:**

> ''ایک کونے میں بیٹھے ہیں۔ تن برہنہ ہے۔ دونوں زانوؤں پر سر دھرا ہے، آگے راکھ کے ڈھیر ہیں۔ ایک ٹوٹا سا حقّہ پاس رکھا ہے۔ ایک بار سر اٹھا کر میاں رنگین کو دیکھا۔ مزاج پرسی پر کہا کہ شکر ہے اور پھر سر کو گھٹنوں میں دے لیا۔''(4)

آزاد صاحب اس اقتباس میں انشا کو ایسے دکھا رہے ہیں جیسے کسی نے انشا سے سب مال ومتاع غبن کر کے انشا کو کسی جھونپڑی میں قید کیا ہو۔ انہیں اس بات کا اچھی طرح معلوم تھا کہ جب تک نواب صاحب خوش ہیں تب تک ان کی نوکری ہے۔ یہ انشا کی کوئی پہلی نوکری نہیں چھوٹی تھی کہ وہ دل برداشتہ ہو کے سر زانو پر دھر کے اتنے غمگیں اور اتنے دکھی اور افسردہ ہوں۔ انشا کی پہلی نوکری اس وقت ختم ہوئی جب شجاع الدولہ کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے آصف الدولہ کے ملازم ہو گئے۔ شجاع الدولہ جب وفات پا گئے تو اس وقت انشا کی عمر انیس سال تھی۔ شجاع الدولہ کے وفات کے بعد انھوں نے اپنے والد کو بھی روزگار سے ہاتھ دھوتے دیکھا تھا۔ ظاہر ہے اس کا اثر اس کم عمری میں انشا پر بھی پڑا ہوگا۔ اس کے بعد جب شجاع الدولہ کا بیٹا آصف الدولہ اپنا دارالحکومت فیض آباد سے لکھنؤ لائے تو انشا اور ان کے والد بھی ان کے ساتھ لکھنؤ آ گئے۔ ان باپ بیٹے کو شجاع الدولہ کے دربار کی عادت تھی لہٰذا آصف الدولہ کے وقت دربار کی حالت بدل گئی۔ ہو سکتا ہے کہ شجاع الدولہ جو عزت جو رتبہ انشا اور ان کے والد کو دیتے ہوں، آصف الدولہ وہ نہ دے سکے ہوں۔ تب انہیں لکھنؤ بھی چھوڑنا پڑا۔ کچھ عرصے بعد دونوں باپ بیٹے مرزا نجف خاں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ نجف خاں اسی اثنا میں جاٹوں کی سرکوبی میں مصروف عمل تھے جب وہ اس مہم سے فارغ ہوئے تو دونوں باپ بیٹے ان کے ساتھ دہلی آئے۔ اس زمانے میں دہلی کی حالت بھی ابتر تھی۔ شاہ عالم ثانی آفتاب کی بادشاہت قائم

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

تھی۔غالباً تین سال بعد مرزا نجف خاں بھی وفات پاگئے۔انشاایک بار پھر بے روزگار ہوگئے۔پھر کچھ عرصے بعد محمد بیگ ہمدانی سے وابستہ ہوگئے۔یہ ملازمت بھی فوجی نوعیت کی تھی ۔محمد بیگ ہمدانی بھی غالباً پانچ سال بعد وفات پاگئے۔انشاایک بار پھر بے روزگار ہوگئے۔تقریباً انشادس سال دہلی میں رہے یاشاید ایک دو سال زیادہ ہو سکتے ہیں اس سے کم نہیں ہو سکتے۔اس زمانے میں شجاع الدولہ کے بیٹے امین الدولہ عرف مرزا مینڈھو بھی دہلی میں مقیم تھے تو انشا بھی تواتر سے ان کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔اسی دوران عظیم بیگ سے بھی معرکہ آرائی ہوئی تھی۔

انشاجب دہلی میں تھے تب وہ شاہ عالم سے بھی وابستہ تھے۔انشاکی شاہ عالم کے ساتھ باقاعدہ وابستگی معلوم نہیں ۔صرف ایک جشن میں انھوں نے ایک قصیدہ شاہ عالم کی نذر کیا تھا۔جس کا ذکر جمیل جالبی صاحب نے ''تاریخ ادب اردو'' جلد سوم میں کیا ہے لیکن ان کا کہنا ہے کہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انشانے قصیدہ لکھ کر بزم خاص میں شامل کرنے کی استدعا کی تھی لیکن کسی تذکرہ یا تاریخ سے یہ نہیں پتہ چلا کہ آیا وہ شاہ عالم ثانی سے وابستہ ہوئے تھے یا نہیں؟ صرف شاہ عالم کے دربار میں انشا کا آنا جانا تھا۔اس حوالے سے بھی آزاد صاحب نے بہت کچھ لکھا ہے جس پر عابد پشاوری نے آب حیات کا تنقیدی اور تفصیلی جائزہ لیا ہے اور سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

۷ ذیقعدہ ۱۲۰۲ھ کو دہلی میں ایک اور مصیبت ٹوٹ پڑی۔غلام قادر روہیلہ نے قلعہ معلی پر حملہ کر دیا اور شاہ عالم کو گرفتار کر کے اندھا کر دیا اور جو کچھ تھا اس پر قبضہ کر لیا۔یہاں سے انشااور ان کے والد نے دل برداشتہ ہو کے واپسی کا سفر باندھا،انشاکے والد فرخ آباد چلے گئے اور انشانے لکھنؤ کا رُخ کیا۔۱۲۰۳ھ/۱۷۹۰ء میں انشا لکھنؤ گئے۔اس حوالے سے جمیل جالبی صاحب نے ''تاریخ ادب اردو'' جلد سوم میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ہمیں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

مختصر یہ کہ لکھنؤ میں پہلے انشاءالماس علی خان کے دربار سے منسلک رہے۔اس کے بعد شہزادہ سلیمان دہلی سے اودھ آئے تو انگریزوں کے مشورے سے آصف الدولہ نے اُن کا وظیفہ مقرر کیا۔انھوں نے لکھنؤ میں اپنا دربار سجایا تو انشا بھی ان کے ملازم ہوگئے۔یہ زمانہ ۱۲۰۵ھ کا ہے۔ ۱۲۰۹ھ میں انشا کے کہنے پر ہی سلیمان شکوہ نے مصحفی اور جرأت کو اپنے دربار میں ملازمت دی۔جب سعادت علی خان مسند نشین ہوئے تو انشاان کی ملازمت میں چلے گئے۔یہ زمانہ تقریباً ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۸ء کا ہے اور جمیل جالبی کے مطابق ۱۲۱۶ھ میں انشامرزا سلیمان شکوہ سے الگ ہوگئے اور سعادت علی خان کے ملازم ہوگئے۔اب ان تمام تفصیلات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک شخص کی پوری زندگی دوسروں کی ملازمت میں ہی گزری ہو یہ ملازمت صرف پیسوں اور غرض کی ہی وجہ سے نہیں ہوتی تھی۔ہر تذکرہ،ہر تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انشا کے دادا جب دہلی سے بنگال گئے تھے تو آگے پیچھے ہاتھی تھے اور نقارہ بجتے تھے اور والد جب سفر کرتے تھے تو بھی آگے پیچھے ہاتھی ہوتے تھے اور قدرت اللہ قاسم کی تحقیق کی داد دینی چاہیے کہ وہ لکھتے ہیں کہ جب انشاپیدا ہوئے تھے تو ان کے والد کے پاس 18 ہاتھی تھے ان کو سن لکھنا چاہیے تھا کہ انشا کس سن میں پیدا ہوئے تھے تاکہ آنے والے محققین کے لیے آسانی ہوتی۔ویسے دیکھا جائے تو انشاکا نام ڈبونے میں انھوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔دہلی میں معرکہ آرائی ہوئی تھی۔اس کا بدلہ انھوں نے اپنے تذکرے میں انشا سے لے لی نئے آنے والوں نے بغیر تحقیق کے آنکھیں بند کر کے ان لوگوں پہ یقین کیا اور ایک عظیم تخلیق کار کی ساری تخلیقات کو پس پشت ڈال کر چند لوگوں کی ذاتی دشمنی کے تبصروں کو سچ مان لیا اور جس طرح قدرت اللہ قاسم عظیم بیگ کو بڑے معصوم اور انشا کو بڑے شاطر دکھاتے ہیں ایسا کچھ نہیں اصل میں شاطر اور شیطان تو یہ لوگ ہیں جنھوں نے انشا کے پیٹ پیچھے چھرا گھونپا انشاتو اس معرکے کے بعد بھول گئے کہ ان کی زندگی میں ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا بھی تھا کہ نہیں ورنہ اگر ان کے خلاف انشا لکھتے تو یہ آج اردو ادب میں زندہ نہ ہوتے۔لیکن انشادل کے صاف تھے علمی حوالے سے کوئی بھی غلطی کرے چاہے وہ انشا کا جگری دوست قتیل ہی کیوں نہ ہو انشاءان کی بھی اصلاح کرتے تھے۔دراصل یہ بڑے لوگوں کی شان ہوتی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں اور معاملات میں اپنی زندگی کو نہیں الجھاتے اور ان چھوٹے معاملات کو اتنی اہمیت نہیں دیتے،اگر ان کو اہمیت دیتے تو اتنے بڑے تجربات نہیں کر سکتے تھے اس لیے انشاان معاملات میں نہیں پڑتے تھے اس طرح کے کام ان لوگوں پہ ہی جچتے ہیں۔آپ قدرت اللہ قاسم کی تحقیق کا اور ان کی علمی قابلیت کا اندازہ اس حوالے سے ہی لگا سکتے ہیں کہ انشا کی پیدائش کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''سراج الدولہ وغیرہ حکام بنگالہ کے عہد میں میر ماشاءاللہ کے فیل خانے میں 18 ہاتھی تھے اور اسی زمانے میں میر انشاءاللہ خان پیدا ہوئے۔'' سب سے پہلے اس بات نے انشا کے حوالے سے تحقیق کرنے والوں کو الجھایا ہے کہ ''سراج الدولہ وغیرہ حکام بنگالہ کے عہد میں اور دوسرا یہ لکھنے کی کیا ضرورت کہ جب وہ پیدا ہوئے تھے تو ان کے فیل خانے میں 18 ہاتھی تھے۔اللہ پوچھے انھیں کہ انشا کی پیدائش کے باب میں ہاتھیوں کا ذکر کیوں؟آپ نے ان کے والد کی امارت کا ذکر کرنا ہے تو ویسے کریں اور اس بات سے بھی بہت مشکل درپیش ہو رہی ہے کہ سراج الدولہ وغیرہ حکام بنگالہ کے عہد میں'' کوئی وضاحت سے نہیں لکھا کہ شجاع الدولہ سے پہلے پیدا ہوئے تھے یا بعد میں یا کون سے حکام بنگالہ کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے ایسا لگتا ہے کہ وہ انشا کے بارے میں لکھنا ہی نہیں چاہ رہے تھے وہ انشا کے ہم عصر تھے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

وہ چاہتے تو کسی کے ذریعے بھی تمام معلومات لے سکتے تھے اور انشا کے حوالے سے ان کی پیدائش کے حوالے سے صحیح معلومات حاصل کر کے دے سکتے تھے مگر انھوں نے انشا کے حوالے سے صحیح معلومات دینے کے بجائے انشا کو شوخ اور ہنگامہ آراد کھانے میں اپنی تمام تر وقت صرف کیا ہے۔ انشا کے والد امیر آدمی تھے اور جب انشا پیدا ہوئے تھے تو اس وقت ان کے والد میر ماشاءاللہ کے فیل خانے میں 18 ہاتھی تھے ۔ ملازمت صرف تنخواہ اور پیسے کے لیے ہی نہیں ہوتی تھی اپنے نام، مقام اور رتبے کے لیے شاعر حضرات کوشاں رہتے تھے کہ کسی اچھی جگہ ملازمت کی جائے۔ راقمہ یہ بھی نہیں کہ رہی ہے کہ انہیں پیسے کی بالکل لالچ نہیں تھی ظاہر ضروریات زندگی تو سانس کی ہر ڈور کے ساتھ باندھی ہوئی ہے لیکن جہاں پیسہ، عزت اور شہرت سب کچھ مل جائے تو اس کے لیے کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ اتنا آسان بھی نہ تھا اس زمانے میں ایک سے بڑھ کر ایک شاعر ہوتے تھے آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ انشاء، مصحفی اور جرأت لکھنؤ کے تین بڑے نام ایک ہی دربار میں نوکری کر رہے ہوں۔ تو یہ کوئی اتنی آسان بات نہیں۔ لیکن ہم یہ دیکھ سکتے ہیں مؤخرالذکر سے ہمیں اس بات کا اچھے سے اندازہ ہو گیا ہے کہ انشا ایک جہد مسلسل محنت کرنے والے انسان ہیں اور وہ ساری زندگی جسمانی، دماغی، زبانی اور قلمی محنت و مشقت کرتے رہے ہیں۔ تو یہ آزاد صاحب نے اتنا ڈرامائی انداز سے لکھا ہے کہ ایک کونے میں تن برہنہ کر کے بر زانوؤں پر رکھ کے بیٹھے ہیں یہ ایک بے بنیاد قصّہ ہے اس لیے اردو ادب کے طالب کو چاہیے کہ ان قصّے کہانیوں سے آگے بڑھیں اور خالص تحقیق کو ترجیح دیں۔ ورنہ ہم ان قصّے کہانیوں میں ہی الجھے رہیں گے۔ نواب سعادت علی خاں ۳شعبان ۱۲۱۲ھ/۲۱ جنوری ۱۷۹۸ء کو مسند نشین ہوئے۔ انشا کا سعادت علی خان کے دربار میں آنا جانا بہت پہلے سے تھا جب انشا سلیمان شکوہ کے ملازم تھے پھر انشاء ہمیشہ کے لئے سعادت علی خان سے وابستہ ہو گئے اور یہ دور انشا کی زندگی کا بہترین دور ہے اگر اس دور کو ہم انشاء کی زندگی کا سنہرہ دور بھی کہیں تو بے جا نہ ہو گا۔ اسی زمانے میں ہی انشا نے ''دریائے لطافت'' لکھی، ''رانی کیتکی کی کہانی''، ''سلک گوہر''، ''ترکی روزنامچہ''، ''لطائف سعادت'' اس کے علاوہ شعر و شاعری معرکہ آرائیاں اور زندگی کی باقی مصروفیات ان کے علاوہ ہیں۔

انشاء ۱۲۱۷ھ سے پہلے سلیمان شکوہ کی ملازمت چھوڑ چکے تھے اور غالباً ۱۲۱۶ھ میں انشاء سعادت علی خان کے ملازم ہو گئے تھے اور انھیں دو سو روپیہ ہر مہینے تنخواہ ملتی تھی اور انشاء کی بہت بڑی حویلی تھی جب انشا نے لکھنؤ چھوڑنے کا سوچا تو گھر بھی بیچنے کا سوچ رہے تھے اس وقت ان کے گھر کی قیمت پانچ ہزار تھی اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انشا اپنے وقت کے امیر کبیر شخص تھے۔ اور بہت آسودہ حال تھے اور آزاد کا انہیں ایسے غریب لاچار اور ننگا گھٹنوں میں سر دیے دیکھانا بالکل غلط ہے او سعادت علی خان سے وابستگی کے بعد انشا نے جتنی تخلیقات کی ہیں ان سے آپ خود بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ بیتاب کا یہ کہنا کہ انشا کی فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا۔ بالکل غلط ہے بہتان ہے۔ اگر انشا شاعر نہ ہوتے یہ سب تخلیقات ممکن نہیں تھے۔ ان تخلیقات سے پہلے وہ اپنے شعر و شاعری میں یہ تمام تجربات کر چکے تھے۔ کشمیری استاد اور ان کی شاگرد کی بات چیت کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں۔ اسی سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ انشا نے دریائے لطافت میں مختلف طبقوں اور علاقوں کے لوگوں کی لب و لہجے کو جس خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اس کا تجربہ وہ اپنی شاعری میں پہلے ہی کر چکے تھے اور یہاں تک اپنے ایک شعر میں انھوں نے اپنی داستان کیتکی کا نام بھی ایک شعر میں باندھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ان دنوں شاید اور بھی تجھ کو مزا پڑا ہے کچھ
آتی ہے کیتکی کی باس تیرے گلاب باش سے (5)

انشا کہانی لکھنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے یہ تو سب سے زیادہ انشا کو معلوم ہو گا کیونکہ ایک تخلیق کار کو اپنی تخلیق کردہ غزل، مثنوی یا کہانی وغیرہ کا (۱۰۰) فیصد نہیں تو (۹۰) فیصد پتہ تو ہوتا ہے کہ وہ اس میں کتنے کامیاب ہوئے ہیں۔ اسی طرح انشا کو بھی یہ سب تجربات کرنے سے معلوم ہوا کہ فارسی، عربی اور ترکی کے الفاظ اردو زبان سے نکالنا ممکن نہیں ہے۔ انھیں اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ عربی، فارسی اور ترکی کے الفاظ عام بول چال کی زبان کا حصّہ بن چکے تھے۔ انھیں اردو زبان سے الگ کرنے سے اظہار دشوار، ابلاغ، مشکل اور بیان اکھڑا اکھڑا ہو جاتا ہے۔ رانی کیتکی کو پڑھتے ہوئے اتنی لذت محسوس نہیں ہوتی جتنی اردو کی باقی داستانیں ہیں وہ اس لیے کہ ان کہانیوں میں عام بول چال کی زبان استعمال ہوئی ہے اور قاری کو پڑھنے میں بھی کوئی دقعت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن ان سب کے باوجود ہم مثنوی ''در لہجہ'' اور کہانی ''رانی کیتکی'' کو ایک کامیاب تجربہ کہ سکتے ہیں کیوں کہ انشا دونوں تجربات کی بنیاد پر ہندوستانی عناصر کو شامل کر کے ان کو بھی ایک نیا رنگ دینا چاہتے تھے اور انشا اس میں بہت حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ یہاں سے ہی انشا اردو زبان کے حوالے سے ایک بہت بڑا فیصلہ کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ کیونکہ اس تجربے سے ایک بات انشا کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے واضح

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

ہو گئی کہ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے الفاظ کو برصغیر پاک وہند کی عام بول چال کی زبان سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور اگر ایسا کیا گیا تو ہندوستانی تہذیب کم زور، زبان بے رنگ اور اظہارِ بیان ٹوٹا ٹوٹا اور کم زور ہو جائے گا۔

دراصل اُردو زبان نہ تو خالص فارسی، عربی اور ترکی زبان و تہذیب کا حصّہ تھی اور نہ خالص ہندی تہذیب کا حصّہ تھی بل کہ ان تمام زبانوں اور ان کی تہذیبوں کے امتزاج سے ایک نئی جاندار اور مکمل زبان وجود میں آئی تھی۔ اس کا تجربہ وہ نظم میں بھی کر چکے تھے تو اس میں بھی انھیں اندازہ ہو گیا کہ شعری زبان و روایات سے عربی و فارسی کے الفاظ کو خارج کرنا ممکن نہیں اور نہ نثر میں سے انہیں الگ کرنا آسان ہے۔ انشا اسی تہذیب کے پروردہ اور اسی تہذیب و زبان کی الگ حیثیت سے واقف تھے اور اسی لیے وہ اردو زبان کو ایک الگ حیثیت اور ایک الگ مقام و مرتبہ دینا چاہتے تھے لیکن ان دونوں تجربات کے بعد انہیں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا اور انشا نے اعلانیہ کہا کہ جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو کا ہو گیا۔ خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی۔ اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے مطابق مستعمل ہے تو بھی صحیح اور اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔ کیونکہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے گو اصل میں صحیح ہو اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ ہو۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ کیا انشا کا تجربہ ناکام تھا یا کام یاب؟ جیسا کہ جالبی صاحب فرما رہے تھے۔

انشا اللہ خاں انشا کو ان کی تخلیقات کے حوالے سے جس طرح تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ان کی تخلیقات کے ذریعے ثابت کیا جا رہا ہے کہ وہ سب پر سبقت لے جانا چاہتے تھے اور وہ دوسرے تخلیق کاروں اور اپنے ہم عصروں کو نیچا دکھانا چاہتے تھے اور دربار میں اپنا رعب و دبدبہ برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ نت نئے تجربات کرتے تھے تاکہ ان کا قد اونچا ہی رہے۔ ان تمام الزامات کو سامنے رکھ کر جب راقمہ نے ڈاکٹر محمد خان اشرف کی کتاب ''ادب کیا ہے؟'' کا مطالعہ کیا تو پتا چلا کہ حقیقت بالکل ان تمام الزامات کے برعکس ہے۔

تخلیقی تجربہ کیا ہے؟ ڈاکٹر محمد خان اشرف نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ تخلیق سے مراد ہے عدم سے وجود میں لانا۔ خدا کے بعد تخلیق صرف انسان کر سکتا ہے اس لیے اس کا یہ تجربہ اسے تمام مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔ وہ مصور، سنگ تراش، موسیقار یا کوئی معمار، گلوکار ہو یا کوئی موجد، یہ تمام اس تخلیقی عمل میں شامل ہیں جس سے ان کی تخلیقات اور ایجادات وجود میں آتی ہیں، ان میں جو فرق ہے وہ ان کے ذریعہ اظہار و ابلاغ سے آتا ہے۔ تخلیقی عمل کے وجودی حصہ میں یہ سب ایک ہیں۔

اس حوالے سے ڈاکٹر محمد خان اشرف لکھتے ہیں:

> ''انسان کی یہ خصوصیت اس کو دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ اس کا تخلیقی عمل ہے جس کے ذریعے وہ نئی چیزیں ایجاد کرنے، دریافت کرنے، تخلیق کرنے اور عدم سے وجود میں لانے کا عظیم کام انجام دیتا ہے۔ یہ تخلیقی عمل انسان کے وجود میں برپا ہوتا ہے لیکن اس کا اظہار دوسرے لوگ دیکھتے ہیں۔ یہ اظہار نئی ایجادوں کی شکل میں ہوتا ہے اور نئے فنون کی شکل میں بھی، شاعری ہو یا مصوری، موسیقی ہو یا مجسمہ سازی، نئے علوم کا انکشاف ہو یا نئی حقیقتوں کی دریافت، ان سب کی بنیاد یہی عمل ہے جو بیان کی آسانی کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے وجود میں برپا ہوتا ہے اور اسے ہم تخلیقی عمل کے نام سے پکارتے ہیں کیونکہ اس عمل کے نتیجے میں تخلیق وجود میں آتی ہے۔ تخلیق یعنی کسی چیز کا عدم سے وجود میں آنا اور یہ ترکیب انھی چیزوں پر صادق آتی ہے جو انسان اپنے اس عمل سے پیدا کرتا ہے۔ اس طرح یہ انسانی خصوصیت اس کی تمام تخلیقات کی بنیاد ہے۔''(6)

اگر تخلیقی عمل واقعی یہی ہے جو ڈاکٹر محمد خان اشرف نے لکھا ہے۔ تو انشا پر اب تک جتنی تنقید کی گئی ہے وہ سب بے بنیاد ہے کیوں کہ انشا نے سو فیصد وہی کام کیا ہے جو ایک تخلیق کار کو کرنا چاہیے۔ انشا نے کوئی غلط کام نہیں کیا بل کہ انھوں نے وہی کام کیا ہے جو ایک تخلیق کار کو کرنا چاہیے۔ انھوں نے نئی چیزیں دریافت کیں، انھوں نے نئی چیزیں تخلیق کیں اور عدم سے وجود میں لانے کا عظیم کام انجام دیا۔ چاہے وہ ان کی ''دریائے لطافت'' ہو، ''رانی کیتکی'' کی کہانی ہو یا ان کا ''بے نقط'' ہو یا کہانی ''سلک گوہر'' یہ سب انشا کی تخلیقات اور ان کی ایجاد و دریافت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

انتظار حسین کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

''سید انشا صاحب علم و فضل ضرور تھے مگر وہ تجربوں کا دروازہ اپنے اوپر بند نہیں کر سکتے تھے۔ میاں بے تاب نے یہ نکتہ نہ سمجھا اور حکم لگا دیا کہ سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا۔ عالم اپنے فضل و کمال سے نہیں اپنے علمی رویے سے پہچانا جاتا ہے۔ سید انشا کا رویہ ہی علمی نہیں تھا۔ وہ مجردات میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ Images میں سوچتے تھے۔ ''دریائے لطافت'' ان کا علمی کارنامہ ہے مگر یہ دیکھیے کہ کیا ماہرین لسانیات اور علمائے قواعد، زبان کے مسائل کے بارے میں اس رنگ میں سوچا کرتے ہیں؟ طبقوں اور شہروں کے لہجوں میں فرق کرتے کرتے وہ معاشرتی تصویریں بنانے لگتے ہیں اور کردار تخلیق کرنے لگتے ہیں۔ ایسا رویہ رکھنے والا شخص اپنے منفرد انداز میں اِکاڈُکا علمی کارنامے تو انجام دے سکتا ہے مگر روایتی قسم کا عالم نہیں بن سکتا۔ اس رویے کے ساتھ تو آدمی شاعر اور افسانہ نگار ہی بن سکتا ہے۔ سید انشا جس خمیر کے بنے تھے، اس کا تقاضا ہی یہ تھا کہ وہ شاعر بنتے، مگر بنے بنائے رستے تو شاعری میں بھی ہوتے ہیں، اور اُردو شاعری، سید انشا کا وقت آتے آتے اپنی مختلف اصناف کے لیے مختلف سانچے وضع کر چکی تھی مگر انشا اپنی فطرت سے مجبور تھے۔ یہاں بھی انہوں نے بنے بنائے رستوں سے ہٹ کر چلنے کی کوشش کی۔ انھوں نے غزل کے اسلوب میں غزل نہیں لکھی اور قصیدے کے اسلوب میں قصیدہ نہیں لکھا۔''(7)

اس اقتباس میں انتظار حسین نے انشا پر مختلف قسم کے الزامات لگائے ہیں۔ انھوں نے میاں بے تاب کا چبھتا جملہ بھی شامل کیا اور پھر خود اس جملے پر تبصرہ بھی کیا۔ راقمہ کی نظر میں میاں بے تاب کے جملے کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ پتہ نہیں سبھی اس بے وقعت سے جملے کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں؟ نہ ہی انشا کے فضل و کمال کو ان کی شاعری نے کھویا اور نہ ہی شاعر سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا۔ راقمہ پہلے بھی اس کا جواب تفصیل سے دے چکی ہے۔ آٹھ سالوں میں انھوں نے وہ تمام شاہکار تخلیق کیے جو آج انشا کی پہچان ہیں ان میں ''دریائے لطافت''، ''کہانی رانی کیتکی''، ''سلک گوہر''، ''لطائف السعادت'' اور ''ترکی روزنامچہ'' وغیرہ، اس لیے بے تاب کا جملہ راقمہ کی نظر میں صرف ایک بے بنیاد الزام کے سوا کچھ نہیں۔ رہ گئے انتظار صاحب کے الزامات جیسا کہ وہ لکھتے ہیں عالم اپنے فضل و کمال سے نہیں اپنے علمی رویے سے پہچانا جاتا ہے۔ سید انشا کا رویہ ہی علمی تھا۔ ''سید انشا کا رویہ ہی علمی نہیں تھا'' یہ جملہ بالکل بے بنیاد ہے۔

راقمہ یہ سب سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان سب سے انتظار حسین صاحب کا مطلب کیا ہے؟ راقمہ کو صرف اتنی بات کی سمجھ آ رہی ہے کہ ہم لوگ اپنے بزرگوں کی صحیح معنوں میں تعریف ہی نہیں کر سکتے۔ ہم صرف اپنوں کو تنقید کا ہی نشانہ بنا سکتے ہیں۔ ایک انسان کو زندہ رکھنے کے لیے ان کی ایک تخلیق بھی کافی ہوتی ہے۔ راقمہ سمجھتی ہے کہ اگر انشا صرف ''دریائے لطافت'' لکھتے اور باقی تجربات اور شاعری نہ بھی کرتے تو یہی ایک کتاب انشا کو زندہ رکھنے کے لیے کافی تھی۔

انشا نے ''دریائے لطافت'' میں اردو زبان پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پہلی بار اردو زبان کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس کے قواعد و اصول بیان کیے گئے ہیں۔ انشا نے اردو زبان کے حوالے سے بڑی تفصیل سے لکھا ہے مگر راقمہ یہاں چند حوالوں کی جانب توجہ دلائے گی۔

1۔ جمع کے قاعدے کے ذیل میں انشا نے لکھا ہے۔

2۔ کوئی لفظ اردو ہے یا نہیں اس کے بارے میں انشا نے ایک معیار بتایا ہے۔

3۔ انشا نے اردو زبان اور اس کے بولنے والوں کی صوتیات کے حوالے سے لکھا ہے۔

4۔ کوئی لفظ اردو میں آیا خواہ وہ کسی بھی زبان سے ہو وہ اردو کا لفظ ہو گیا۔ اس حوالے سے بھی انہوں نے تفصیلی بحث کی ہے۔

5۔ انشا نے اردو صوتیات کا خیال رکھتے ہوئے ایک اور اصول بتایا ہے۔

6۔ کسرۂ اضافت کے حوالے سے بھی انشا نے تفصیلی بحث کی ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

انشا نے ''دریائے لطافت'' میں لکھا ہے کہ اردو کئی زبانوں کا عطر ہے، اسی لیے اس کے حروف تہجی کی تعداد زیادہ ہے۔ اہل اردو اُن تمام آوازوں کو آسانی سے ادا کر سکتے ہیں جہاں اہلِ عرب، اہلِ ایران اور اہلِ ہند عاجز رہتے ہیں۔

فصاحت کی بحث میں انھوں نے لکھا ہے کہ اردو کی فصاحت شاہجہاں آباد میں پیدا ہونے پر منحصر نہیں کیوں کہ فصاحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ تین عیوب سے پاک ہو یعنی:

1۔ ''تنافر حروف''، تنافر کلمات'' اور ''تعقید'' سے

2۔ ''غرابیتِ لفظی'' یعنی اس میں نامانوس اور غیر متعارف الفاظ کا استعمال نہ کیا ہو۔

3۔ مخالفتِ قیاس یعنی لغت کا استعمال خلافِ قیاس نہ کیا گیا ہو۔ جس کا کلام ان عیبوں سے پاک ہو، وہ شخص فصیح ہے۔

ان سب کے علاوہ انشا نے زبان کی بحث میں لہجے کو خاص اہمیت دی ہے اور مختلف لسانی مسائل پر بحث کرتے ہوئے جو مثالیں دی ہیں اس میں خاص کر میر غفر غینی کی گفتگو ان مثالوں میں بڑی دل چسپ اور ٹکسالی اردو کا نمونہ ہے۔ ان سب کے علاوہ اور بھی بہت علمی حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ غالباً 309 صفحات انشا کے لکھے ہوئے ہیں اور باقی 166 صفحات قتیل کے لکھے ہوئے ہیں۔ راقمہ سمیت اب آپ بخوبی جان گئے ہوں گے کہ انشا واقعی ایک عالم شخص تھے۔ یہ تمام باتیں صرف اور صرف ایک علم رکھنے والے شخص ہی کر سکتے ہیں، دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔

**حوالہ و حواشی**

1۔ محمد زکریا، خواجہ، مختصر تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند اردو ادب (آغاز تا بیسویں صدی)، اشاعت اوّل، لاہور، تاریخ ادبیات، پنجاب یونیورسٹی، 2016ء، ص199

2۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنؤ کا دبستان شاعری، لاہور، بک ٹاک، 2017ء، ص202

3۔ انشا، انشاءاللہ خاں، '' رانی کیتکی اور سلکِ گوہر ''، مرتبہ: انتظار حسین، لاہور، مجلس ترقی ادب، اشاعت: دوم، ستمبر 2008 ص18، 17، 16

4۔ انشا، انشاءاللہ خاں، کلیات انشاء، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، جلد: اوّل، لاہور، مجلس ترقی ادب، س۔ن، ص100

5۔ انشا، انشاءاللہ خاں، رانی کیتکی اور سلکِ گوہر، مرتبہ: انتظار حسین، لاہور، مجلس ترقی ادب، اشاعت: دوم، ستمبر 2008ء، ص15

6۔ محمد خان اشرف، ڈاکٹر، کتاب ادب کیا ہے؟، لاہور، مرکز زبان و ثقافت، س۔ن، ص24

7۔ انشا، انشاءاللہ خاں، رانی کیتکی اور سلکِ گوہر، مرتبہ: انتظار حسین، لاہور، مجلس ترقی ادب، اشاعت: دوم، ستمبر 2008ء، ص، 17، 16